ضایعۂ بزرگ خوش گفتار

محمد باقر

'' آئیے ایئر فورس تو ہوتی ہی رہے گی۔ اب دفتر میں چلیں ۔ وہاں فرصت سے باتیں ہوں گی ''۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے کہا ۔

یہ ۱۹۴۵ کا واقعہ ہے، میں رائل انڈین ایئر فورس کے نمائندہ کی حیثیت سے کشمیر کا دورہ کرتے ہوئے سری نگر پہنچا تھا ۔ ایک دن میں نے ریاست کے کالج میں طلبا سے خطاب کیا تو ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے پرنسپل کی حیثیت سے اس جلسہ کی صدارت کی ۔ میں نے اس سے پہلے ان کا نام سن رکھا تھا اور کبھی کبھی ان کی نظمیں بھی پڑھی تھیں لیکن ملاقات کا فخر صرف آج حاصل ہوا تھا ۔ جلسے سے فارغ ہوئے تو خلیفہ صاحب مجھے اپنے دفتر میں لے گئے اور چائے اور شیرینی منگوائی۔ میرا خیال تھا وہ ایئر فورس کے متعلق مجھ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں لیکن بات اقبال سے چلی اور رومی پر آکر ختم ہوئی اور میں ان کی خوش گفتاری کا گہرا تاثر لے کر رخصت ہوا ۔

تاسیس پاکستان کے بعد خلیفہ صاحب مستقل طور پر لاہور آگئے اور ادارۂ ثقافت اسلامیہ کے مدیر و موسّس کی حیثیت سے انہوں نے ایک وسیع دائرۂ فکر و عمل قائم کیا ۔ ان کی عملی زندگی کا ثبوت وہ گرانمایہ کتابیں ہیں جو ادارۂ ثقافت اسلامیہ نے چند سالوں میں کثیر تعداد میں شائع کی ہیں ۔ میں نے ایک دفعہ ان کی اس کام کی تعریف کی تو انہوں نے بڑی صدقدلی سے فرمایا :

'' تنہا خود کام کرنا اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنا اپنے گرد ان آدمیوں کو جمع کرنا جو آپ کے ساتھ مل کر آپ کے کام کو آگے بڑھائیں ''۔ پھر انہوں نے دارالمصنفین اعظم گڑھ کی تاریخ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا :

'' شبلی نے بہت کام کیا ۔ اس کے کام کی وجہ سے میرے دل میں اس کا بے حد احترام ہے ۔ لیکن دارالمصنفین کی تاسیس شبلی کا ایسا کارنامہ ہے جو اس کی اپنی تالیفات کے مقابلے میں بہت وقیع ہے ۔ یہی وہ ادارہ ہے جہاں شبلی نے اپنے ارد گرد ایسے آدمی جمع کرلئے تھے جو اس کے تالیف و تصنیف کے منصوبوں کو عملی جامہ پہناتے تھے ۔ یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں !''

پھر دیر تک ایسے اداروں کا تجزیہ کرتے رہے جو استقلال پاکستان کے بعد قائم ہوئے تھے لیکن ان کی باگ ڈور ایسے آدمیوں کے ہاتھ میں دے دی گئی تھی جو خود کام کرتے نہ کسی سے کام لینا جانتے تھے ۔ نتیجہ یہ تھا کہ لاکھوں روپے خرچ کرنے کے باوجود ان کی سرگرمیوں کا کوئی عملی ثبوت دنیا

کے سامنے نہیں آرہا تھا ۔

جن دنوں خلیفہ صاحب سے میرے رشتۂ موانست میں وسعت پیدا ہوئی وہ لاہور میں ادارۂ ثقافت اسلامیہ کی تاسیس کرچکے تھے ۔ ایک دن ادارے کا نام زیر بحث آگیا ۔ فرمانے لگے :

"آپ نے کبھی سوچا کہ میں نے اس کا نام اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ کیوں نہیں رکھا، اسلامک کلچر انسٹیٹیوٹ کیوں رکھا ہے؟" میں نے عرض کیا بظاہر کوئی خاص وجہ تو معلوم نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ آپ نے ادارۂ ثقافت اسلامیہ نام رکھ کر ادارے کا دائرۂ عمل وسیع تر کرلیا ہے ۔ کہنے لگے : "آپ ٹھیک سمجھے ۔ اگر میں اس کے نام کو صرف اسلامی تحقیق تک محدود کردیتا تو ہم مذہب کے دائرے سے باہر نہ نکل سکتے ۔ اسلامی ثقافت Islamic Culture کے نام نے ادارے کے لئے کام کی بہت سی راہیں سجھائی ہیں، ان میں مذہب بھی شامل ہے !"

شبلی کے تتبع میں خلیفہ صاحب مرحوم نے بھی شروع شروع میں جب ادارے میں موزوں آدمی جمع کرنے شروع کئے تو انہیں کئی دفعہ مایوس ہونا پڑا ۔ ان کی ابتدائی جمع آوری تھوڑی ہی دیر کے بعد انتشار کی شکل اختیار کرجاتی اور چند حضرات کسی نہ کسی عذر پر ادارے سے کنارہ کش ہوجاتے ۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا : آپ انتخاب کے وقت احتیاط کیوں نہیں کرتے؟ کہنے لگے :

"یہ محض آپ کا خیال ہے کہ میں اپنی کوشش میں ناکام رہتا ہوں ۔ حقیقت یہ ہے کہ میں شروع ہی سے سمجھ لیتا ہوں کہ جس آدمی کو میں کام پر لگارہا ہوں جب یہ تھوڑی سی آسودگی حاصل کرلے گا تو ادارے کو خیرباد کہہ دے گا ۔ ایسے اداروں سے مستقل طور پر منسلک رہنے کی تربیت نہ ہمارا ماحول دیتا ہے نہ ہماری یونیورسٹیاں ۔ اس لئے ایسے اداروں کے لئے زندگیاں وقف کردینے والے لوگ پیدا کرنے میں ابھی وقت لگے گا ۔" پھر ہنستے ہوئے کہا : "لیکن آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ جو آدمی اس ادارے میں دلچسپی سے کام نہیں کرتا میں اسے اس سے بہتر جگہ پر بھجوا دیتا ہوں تاکہ مزید مالی منفعت حاصل کرکے وہ زیادہ مطمئن ہوکر کام کر سکے !"

خلیفہ صاحب کو قدرت نے حسن کلام کا عجیب ملکہ عطا کیا تھا ۔ موضوع خواہ کوئی ہو ان کے پاس اس کے متعلق اس قدر بھرپور مواد ہوتا تھا کہ نہ لوگ سنتے تھکتے تھے اور نہ وہ سناتے ۔ ان کا حافظہ بے حد قوی تھا ۔ ہزاروں اشعار زبانی یاد تھے ۔ گفتگو کا اسلوب انہوں نے مسلسل تجربے اور غور و فکر سے تراشا تھا ۔ کئی دفعہ میں غیر ملکی سیاحوں کے ہمراہ ان سے ملا تو مجھے محسوس ہوا کہ ان کی گفتگو کا انداز مختلف اوقات میں مختلف

ہوتا ہے۔ ایک دن میں نے ان کی گفتگو کی مختلف سطحوں پر بات شروع کردی ۔ کہنے لگے : '' میں اپنے مخاطب کو ہمیشہ اپنی سطح پر کھینچ لاتا ہوں ۔ اگر اس کی ذہنی سطح مجھ سے بلند ہو تو میں اسے نیچی سطح پر لے آتا ہوں۔ بڑے آدمی میری اس کوشش کے ساتھ نہایت خندہ پیشانی سے تعاون کرتے تھے لیکن اب اس عمر میں مجھے اکثر ان لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے جن کی ذہنی سطح مجھ سے فروتر ہوتی ہے ۔ ایسی صورت میں میں ہمیشہ اپنے آپ کو نیچی سطح پر لے آتا ہوں اور اس طرح میری گفتگو دوسرے آدمی کے لئے خوشگوار بن جاتی ہے ۔''

پھر گفتگو کا سلسلہ دراز ہوا تو انہوں نے اپنے بچپن کا ایک واقعہ سنایا کہ ' میری بڑی بہن مجھے بچپن ہی میں کہا کرتی تھیں ''حکیم! تو باتوں کی کمائی کھائے گا ۔'' دیکھئے! ان کی پیشینگوئی کس طرح پوری ہوئی ۔ قدرت نے مجھے اس پیشے کے راستے پر ڈالا جہاں میں باتیں کرکے ہی کسب معاش کرتا رہا ۔' (اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ میں نے معلمی کا پیشہ اختیار کرلیا)۔

دانشگاہ پنجاب میں ایک مرتبہ '' روز رومی '' منایا گیا ۔ چونکہ آپ مولوی کے متخصصین میں سے تھے میں نے آپ سے صدارت کی درخواست کی ۔ کہنے لگے '' اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ آپ مقالہ پڑھنے پر مجبور نہ کریں''۔ میں نے یہ شرط مان لی ۔ ہم نے دوسرے حضرات سے مختصر مقالات لکھنے کی استدعا کی جو انہوں نے قبول فرمائی ۔ چنانچہ مقالات کا سارا پروگرام تقریباً آدھ گھنٹے میں ختم ہوگیا ۔ آخر میں صاحب صدر کی باری تھی ۔ خیال تھا کہ پانچ دس منٹ میں آپ صدارتی تقریر ختم کردیں گے ۔ لیکن جب آپ کھڑے ہوئے تو مسلسل ایک گھنٹے تک گل افشانی گفتار سے سامعین کو نوازتے رہے ۔ سحر تکلم کا یہ عالم تھا کہ سینیٹ ہال کے سکوت میں سانسوں کی سرسراہٹ بھی سنائی دیتی تھی ۔

خلیفہ صاحب کو اردو سے والہانہ عشق تھا ۔ چند سال پیشتر جب میں نے سابقہ پنجاب میں اردو کی ترویج و اشاعت پر حمایت اسلام کے جلسہ میں ایک مقالہ پڑھا تو بعض حضرات کے دل میں بدگمانی پیدا ہوگئی ۔ یار لوگوں نے بہت لے دے کی ۔ ایک دن خلیفہ صاحب اورینٹل کالج کے ایک جلسہ میں شرکت کے بعد رخصت ہونے لگے تو میرے ایک ہمکار نے ان سے سرگوشی میں میری شکایت کی۔ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ ان کے ہونٹوں سے معاً مسکراہٹ غائب ہوتے دیکھی ۔ وہ پلٹ کر غصے سے میری جانب لپکے اور کہا : ''کیا یہ صحیح ہے؟'' میں نے وضاحت چاہی تو تفصیل بیان کرنے کی بجائے مجھ پر برس پڑے اور جب میں نے صورتحال کی تفصیل پیش کی اور کہا : '' آپ کا

مخبر بڑا عیار ہے۔ آپ اس کے داؤ میں مت آئیں۔'' تو آپ ہنستے ہوئے مجھ سے بغلگیر ہوگئے اور کہنے لگے: '' میں خود بھی تو باور کرنے کے لئے تیار نہ تھا لیکن اردو کی بات سن کر مجھ سے رہا نہ گیا۔''

خلیفہ صاحب نے اپنی عمر کا بہت سا حصہ مرحوم احمد شاہ بخاری، حضرت علامہ اقبال، مولانا صدرالدین اور اپنے زمانے کی دیگر عظیم شخصیتوں کی صحبت میں گذارا تھا۔ وہ ان صحبتوں اور محفلوں کے قصے بڑے مزے لے کر سنایا کرتے تھے۔ میں نے ان سے یہ طے کر رکھا تھا کہ چند نشستوں میں یہ لذیذ حکایتیں ان کی زبان سے ٹیپ ریکارڈ پر منتقل کروں گا۔ لیکن

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

تیس جنوری سنہ ۱۹۵۹ء کی دوپہر کو کراچی میں جب کنگرہ' نویسندگان (رائٹرز گلڈ) کی کمیٹیوں کا کام ختم ہوگیا تو ہمیں کچھ دیر کے لئے فرصت نصیب ہوئی۔ طے یہ پایا کہ دوسرا اجلاس ڈھائی بجے شروع ہو۔ رائٹرز گلڈ کے یہ افتتاحی جلسے کے۔ جی۔ ہال کراچی میں ہو رہے تھے۔ صبح کا اجلاس ختم ہونے پر ہم ہال سے باہر نکل آئے۔ میں نے سوچا کہ فراغت کا کچھ وقت میسر آیا۔ اورینٹیل کلج کے متعلق لاہور سے آنے والی متوحش خبروں کے بارے میں لاہور کے ان دوستوں سے استفسار کروں جو یہاں بین الاقوامی مذاکرہ میں شمولیت کے لئے ہوٹل میٹروپول میں مقیم ہیں۔ ان میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم بھی شامل تھے۔ ایک خیال یہ تھا کہ کھانا کھا کر محب گرامی ممتاز حسن صاحب سے بھی ملاقات کی جائے۔ چنانچہ میں گاڑی لے کر سیدھا وزارت دارائی میں پہنچا۔ دربان سے اطلاع دینے کو کہا تو جواب ملا: '' صاحب! آج جمعہ ہے بارہ بج چکے ہیں اور دفتر بند ہوگیا ہے۔ ممتاز صاحب شاید جاچکے ہوں گے۔'' میں نے کہا: '' اجازت ہو تو ٹیلیفون کرلوں؟'' ٹیلیفون کیا تو ممتاز صاحب کی سیکریٹری نے کہا '' تھوڑی دیر ٹھہر کر ٹیلیفون کرلیں۔ ممتاز صاحب ابھی کام سے فارغ ہوجائیں گے''۔ میں نے سوچا ڈاکٹر رفیع سے مل لوں۔ یہ اقبال اکیڈیمی کے ڈاریکٹر تھے۔ ان کا دفتر وزارت دارائی کے بالمقابل تھا۔ چنانچہ میں ان کے کمرے میں جا گھسا۔ آپ وضو کر رہے تھے۔ علیک سلیک کے بعد میں نے فوراً ہوٹل میٹروپول ٹیلیفون کیا۔ مقصد محض خلیفہ عبدالحکیم سے ملاقات کرکے لاہور کی صورتحال معلوم کرنا تھا۔ ہوٹل سے جواب ملا کہ خلیفہ صاحب سمینار (مذاکرہ) کا صبح کا جلسہ بھگتا کر وزارت دارائی میں کسی دوست سے ملنے چلے گئے ہیں۔ اس وقت ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔ میں نے ٹیلیفون پر ممتاز حسن صاحب کا نمبر گھمایا۔ رائیٹرز گلڈ کنونشن کی مصروفیتوں کے پیش نظر میں چاہ رہا تھا کہ ممتاز صاحب کی خدمت میں حاضری کے لئے ان سے اتوار کا دن مقرر کروالوں۔ اس حاضری کے لئے غیر معمولی بے قراری کچھ

اس بنا پر بھی تھی کہ چند ھی روز پیشتر ممتاز صاحب بعض نادر مخطوطات جمع کرکے لائے تھے جو انہیں اپنے اسلاف سے نسلاً بعد نسلا ورثہ میں ملے تھے ۔

ریسیور اٹھایا تو سیکرٹری کی مرتعش آواز سنائی دی ۔ میں نے اس آواز پر کان دھرے بغیر اپنا عندیہ بیان کیا تو وہ اصرار کرنے لگی کہ آپ خود ممتاز صاحب سے بات کیجئے ۔ ایک لمحہ بعد ممتاز صاحب کی آواز سنائی دی '' آپ کہاں ھیں؟ '' میں نے کہا '' ڈاکٹر رفیع کے کمرے میں!'' بلا توقف کہا '' آپ فوراً میرے کمرے میں چلے آئیے، خلیفہ عبدالحکیم صاحب کو غش آگیا ھے ۔''

میں ریسیور رکھ کر بھاگا ۔ وزارت دارائی کی سیڑھیاں پھاندتا ھوا سیدھا ممتاز حسن صاحب کے کمرے میں پہنچ گیا ۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صوفے پر لیٹے پڑے تھے ۔ ایک ڈاکٹر انہیں انجکشن دے رھا تھا ۔ ٹیکا لگا کر ڈاکٹر نے نبض پر ھاتھ رکھا ۔ پھر دل کی دھڑکن سنی اور یاس و اضطراب سے بھرپور چہرہ میری جانب کرکے سر کو منفی انداز میں جنبش دی ۔ میرے سینے سے بے اختیار ایک کراہ نکلی : '' فوت ھوگئے؟ ''

'' ھاں !''

ڈاکٹر نے پاس ھی پڑا ھوا ایک تولیہ خلیفہ صاحب کے چہرے پر ڈال دیا ۔ کسی نے مجھ سے کہا '' ممتاز صاحب آپ کو بلا رھے ھیں''۔ میں غم و الم کا پہاڑ سینے پر رکھے متصلہ کمرے میں آیا ۔ ممتاز صاحب بے حس و حرکت سر جھکائے بیٹھے تھے ۔ ماحول پر ایک سکتہ سا طاری تھا ، ایک سناٹا جو ھم سب کو جذب کئے ھوئے تھا ۔ بالآخر میں نے عرض کیا : ''آخر ھوا کیا ؟''

ممتاز صاحب نے بتایا '' ابھی تھوڑی دیر ھوئی خلیفہ صاحب میرے کمرے میں آئے اور کہنے لگے ' میں حافظ مجید صاحب سے مل کر آرھا ھوں۔ آپ کا باتھ روم کس طرف ھے؟' میں انہیں باتھ روم کی طرف لے گیا ۔ وہ وھاں سے غیر معمولی دیر سے لوٹے اور میری میز کے سامنے آکر کھڑے ھوگئے۔ میں کاغذات سنبھال رھا تھا ۔ میں نے کہا : '' خلیفہ صاحب آپ تشریف رکھیں ذرا کام ختم کرلوں تو فراغت سے باتیں کریں گے ۔'' جب انکی طرف سے اس بات کا کوئی جواب نہ ملا تو میں نے کاغذات سے نظریں اٹھا کر حیرت سے انکی طرف دیکھا ۔ مجھے محسوس ھوا کہ انکی سانس پھولی ھوئی ھے ۔ آنھوں نے دایاں ھاتھ دل پر رکھ کر کہا :

'' My heart ! This has never happened before ''

(میرا دل ۔ پہلے کبھی یوں نہیں ھوا ۔)

میں نے کہا آپ جلدی سے لیٹ جائیے۔ وہ صوفے پر دراز ھوگئے۔ میں نے کرنل

جعفر کو ٹیلیفون کیا۔ آنہوں نے یہ ڈاکٹر بھیج دیا اور بس! ''

ممتازصاحب خاموش ہوگئے۔ سوا ایک بج چکا تھا۔ خلیفہ صاحب کے چھوٹے بھائی خلیفہ عبدالغنی اور ان کے عزیز حمید غنی صاحب کو ٹیلیفون کیا گیا۔ حمید غنی صاحب نے آتے ہی بی' آئی' اے کو ٹیلیفون کیا۔ تھوڑی دیر بعد خلیفہ عبدالغنی بھی پہنچ گئے۔ ایمبولنس کار منگائی گئی۔ پہلے اس میں لاش لے جانے کا صندوق لایا گیا۔ اس صندوق کو صوفے کے قریب رکھ کر میں نے اور حمید غنی صاحب نے لاش کو اس میں رکھنا چاہا۔ لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ چلتا پھرتا اور ہنستا بولتاانسان ابھی ابھی اس کمرے میں داخل ہوا تھا، اب صوفے پر ریت کے ذروں کی مانند بکھرا پڑا تھا۔ حمید غنی اور میں لاش کو اٹھاتے اور وہ صوفے پر پھسل پھسل جاتی۔ اللہ اللہ! عبرت و نصیحت کا کیا سماں تھا!

کراچی آنے سے چند روز پیشتر ہم دونوں لا' کالج کے ایک مباحثے میں منصف تھے۔ رات بھیگ گئی تو میں نے کہا: '' خلیفہ صاحب اجازت دیں میں گھر ٹیلیفون کردوں تاکہ بیوی کھانے کے لئے انتظار نہ کرے'' فرمانے لگے! '' ٹیلیفون ضرور کرو' لیکن بھوک تو نہیں لگ رہی۔ آج اس کافی اور کیک پر گذر کرو۔'' پھر بڑے مزے سے وہ کیک کھانے لگے جو منتظمین نے پیش کیا تھا۔

اور پھر اس سے چند روز پیشتر ہم دونوں ریڈیو پاکستان لاہور سے ''مثالی تعلیم میں اسلامی تعلیم کا حصہ'' پر بحث کر رہے تھے۔ بحث سچ مچ کی بحث تھی۔ یعنی ہم دونوں کچھ لکھ کر نہیں لے گئے تھے اور نہ ہی کسی قسم کا ریہرسل کیا تھا۔ طے یہ پایا کہ پہلے میں کچھ سوال کروں گا اور خلیفہ صاحب جواب دیں گے۔ پھر خلیفہ صاحب سوال کریں گے تو میں جواب دوں گا۔ لیکن ہوا یہ کہ جب میں نے ایک دو سوال کئے تو خلیفہ صاحب یوں محو گفتار ہوئے کہ مجھے سوال سننے یا جواب دینے کی مہلت ہی نہ ملی اور تقریر کا وقت ختم ہوگیا۔ سٹوڈیو سے باہر نکلے تو کہنے لگے: ''آپ نے کچھ پوچھا ہی نہیں۔ ساری میری تقریر ہی ریکارڈ ہوگئی۔'' میں نے عرض کیا یہ بھی اچھا ہوا۔ آپ کی تقریر سننے میں جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ آپ کے سامنے تقریر کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور پھر جب آپ تقریر کرنا شروع کرتے ہیں تو آپ کو سنبھالنا بھی تو دشوار ہو جاتا ہے۔ اس پر خلیفہ صاحب نے ایک قہقہہ لگایا۔

اور آج یہ جسد بے جان مرنے کے بعد بھی ہم سے نہیں سنبھالا جا رہا تھا۔ مایوسی کے عالم میں میں ان کی کلائی سے گھڑی اتار کر لاش سے الگ ہوگیا۔ گھڑی ٹک ٹک کر رہی تھی۔ ٹھیک ڈھائی بجے تھے۔ گھڑی پہننے والے کے دل کی ٹک ٹک بند ہو چکی تھی۔ وزارت دارائی کے ملازموں نے ہماری بے بسی

دیکھ کر اب آگے بڑھ کر لاش کو سنبھالا اور صندوق میں ڈال دیا۔ اسلامی مذاکرہ کا نشان کوٹ پر چمک رہا تھا ۔ صوفے کے ساتھ آپ کا بستہ Briefcase پڑا ہوا تھا جس پر مذاکرہ کا لیبل لگا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ایک فائل پڑی تھی ۔ صوفے کے ایک طرف آپ کے جوتے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے گھڑی خلیفہ عبدالغنی کو دے دی ۔ بوٹ اور بستہ خود اٹھالیا۔ صندوق کے ساتھ چلتے ہوئے ہم زیرین منزل تک پہنچے۔ صندوق ایمبولنس کار میں رکھا گیا ۔ میں نے بوٹ ساتھ رکھ دیئے۔ فائل بستر میں رکھ دی اور لیبل بستہ میں ڈال کر بند کردیا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ بستہ اب اس کا مالک کبھی نہ کھول سکے گا ۔ ایمبولنس کار چل دی اور میں ممتاز صاحب کے ساتھ انکے مکان تک پہنچا ۔ ان کو خلیفہ صاحب کی موت کا بے انتہا صدمہ تھا اور وہ ایک سکتہ کے عالم میں تھے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ آپ بچوں کے ساتھ بیٹھ کر تمام واقعات سنائیں تاکہ آپ کے دل کا بوجھ ہلکا ہو اور خود کنونشن میں شرکت کے لئے چلا گیا ۔

All rights reserved. ©2002-2006

خلیفہ عبد الحکیم کی پبلک جلسے میں آخری تصویر (دسمبر ۱۹۵۸)
لاہور لاء کالج میں اردو مباحثہ

ڈاکٹر محمد باقر　　خلیفہ عبد الحکیم

(صفحہ ۴

(۱)

شبـــاب

خلیفه عبد الحکیم

نگاہ میں ایک ابھار ہے ، نگاہ میں شرار ہے
نہ عقل پر عناں کوئی ، نہ دل پہ اختیار ہے
یہ دور وہ ہے جس میں زهد خشک ننگ وعار ہے
یہ آدمی کی زندگی کا موسم بہار ہے

ہر اک صدا ہے نغمہ زا ، نگاہ مئے فروش ہے
جو سوزش حیات ہے وہ نغمہ سروش ہے
پسند تلخیاں ہیں اور نیش اس میں نوش ہے
کہ لطف گلفشاں ہے گر تو غم بھی لالہ پوش ہے

جہاں میں عشق اور عمل سے جوہر حیات ہے
اسی کے کاروبار پر مدار کائنات ہے
اسی سے روز عید ہے تو رات شب برات ہے
لپک کے لے جو چاہئے کہ دهر بے ثبات ہے

(۱) یہ نظم جشن یوم کلیہ حیدر آباد دکن ۱۹۳۰ کے مشاعرے میں پڑھی گئی تھی ۔